حضرت مولانا محمد عبد المعبود صاحب راولپنڈی

دلی کا قبرستان مہندیاں

تاریخ کے آئینہ میں

شیخ العرب والعجم کے خلف الرشید مولانا اسعد مدنی دامت برکاتہم کے زیر اہتمام "سیمینار شیخ الہند" یکم جنوری ۱۹۸۰ء کو دہلی میں منعقد ہوا۔ جس میں پاکستان کے بعض علماء کرام کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ چنانچہ علماء کی معیت میں احقر کو بھی دہلی کی حاضری کا موقع میسر آیا۔ جہاں بہت سے یادگار تاریخی مقامات دیکھے اور اولیائے کرام کے مزارات کی زیارت سے بھی شرف بار ہوا۔ جن میں "قبرستان مہندیاں" خاص کر قابل ذکر ہے۔ جہاں امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور بے شمار عبقری ہستیاں آسودہ خواب ہیں۔

وجہ تسمیہ | یہ شہر خموشاں "قبرستان مہندیاں" سے شہرت رکھتا ہے۔ نام کی مناسبت سے خیال آتا ہے کہ شاید اس مقام پر کبھی مہندیوں کی باڑھیں رہی ہوں گی۔ جن کے پتوں سے دست حنائی کی رنگینی قائم رہتی ہوگی لیکن اس "مہندیاں" کا تعلق سل پر گھسنے والی مہندی سے نہیں ہے۔ اور نہ ہی کسی نامور شخصیت کی طرف منسوب ہے۔ بلکہ یہ ایک "نو ایجاد تعزیہ" کی پیداوار ہے۔ سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی المناک شہادت کے بعد اہل تشیع نے تعزیہ کا جو سلسلہ شروع کیا تھا۔ بعد میں ان کے مذہب کا جزو لاینفک بن گیا۔ اور اس روایتی مذہب نے علم و فکر کے تمام سوتوں کو بند کر دیا۔ اور رواج و مزاج نے درایت و حقیقت کو پس پشت ڈال دیا ہے بڑے بڑے تعزیئے تو سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام نامی کی طرف منسوب ہوتے رہے۔ لیکن مالدار لوگوں نے عقیدت کے اظہار کی خاطر چھوٹے چھوٹے تعزیئے بزرگوں کے نام پر بھی نکالنا شروع کر دیئے اور ایسے چھوٹے تعزیہ کو دہلی میں "مہندی" کہا جاتا تھا۔

دہلی کے کوئی نواب صاحب تھے۔ انہوں نے شیخ عبد القادر جیلانی کے نام پر بھی "مہندی" بنوانے کی طرح ڈالی۔ چاند کی گیارہ تاریخ کو ہر ماہ مہندی بنائی جاتی۔ اس کی زیارت کرائی جاتی۔ منتیں مانگی جاتیں۔ اس کے گرد چڑھاوے سجائے جاتے اور پھر اس "مہندی" (چھوٹے تعزیہ) کو دہلی گیٹ کے آس پاس محلوں میں گھمایا جاتا "مہندی" کے پیچھے نواب صاحب لاعقیدت کے چہرے اور ارادت کے قدموں کے ساتھ چلتے اور "مسلم حکومت" کی رعایا

ان کے ساتھ ہوتی۔

یہ بھی عبرت کی بات ہے کہ تاریخ ساز ملت جب تاریخ کا صفحہ پلٹنے لگتی ہے تو اس کی توانائی ایسی ہی فضول "حرکتوں" میں صرف ہوتی ہے۔ نواب صاحب نے جب اس خود ساختہ دینی کام کو مزید استحکام بخشنا چاہا تو جہاں مہندی بنائی جاتی تھی، وہاں ایک دلربا پانچ منزلوں کی عالیشان عمارت بنا ڈالی جس کے سامنے خوشنما باغ تھا۔ یہ عمارت "مہندیاں" کے نام سے شہرت پذیر ہوئی۔ آج کل پنت ہسپتال۔ جے پی ہسپتال اور مولانا آزاد میڈیکل کالج کا جہاں مردہ خانہ (MORTURY) ہے۔ اس سے کچھ مشرق میں یہ عمارت تھی۔ وقت اپنی تیز رفتاری کے ساتھ گذرتا گیا۔ نواب صاحب بھی چل بسے۔ عمارت کے جلال وجمال نے بوسیدگی کی شکل اپنا لی۔ عام قسم کے لوگ اس میں آباد ہو گئے۔ جن کے آباؤ اجداد "خواص" میں شمار کئے جاتے تھے۔ اس میں اقامت پذیر ہو گئے۔ عمارت کا مصرف بدل گیا مگر نام باقی رہ گیا۔

محلہ مہندیاں اسی عمارت اور اردگرد کے مکانوں پر مشتمل تھا۔ "باغ مہندیاں" عمارت کے سامنے والا حصہ تھا۔ اسی سرزمین پر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مسجد بنوائی۔ مدرسہ آباد کیا اور اپنی خانقاہ قائم کر کے اصلاح باطنی کا کارنامہ انجام دیا۔

لیکن اب نہ مہندیاں کی پُروقار عمارت کا کہیں نام ونشاں ہے نہ پاس کے مکانات رہے۔ نہ شیخ کی مسجد و خانقاہ ہے اور نہ مدرسہ کا وجود۔ عدم کا ہلکا سا پردہ وجود کی ٹھوس عمارتوں پر بھاری پڑ چکا ہے۔ اب یہاں مولانا آزاد میڈیکل کالج کی عمارتیں کھڑی ہیں۔ مگر مہندیاں کا نام زندہ ہے اور یہ نام درگاہ شاہ ولی اللہ کے ساتھ ایسا چپکا ہے کہ زندۂ جاوید ہو گیا ہے۔ ورنہ جہاں حضرت شاہ صاحب کا مزار ہے وہ محلہ نَروَر (NARWAR) یا شیخ نَروَر کا چھتہ کہلاتا تھا۔

امام الہند شاہ ولی اللہ اور ان کے والد گرامی قدر حضرت شاہ عبدالرحیم رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما کی اصل جگہ یہی چھتہ شیخ نرور تھی اور اسی محلہ میں آباد تھے۔ اور زمانہ کے رواج کے مطابق مکان کے قریب ہی ان بزرگوں کی آرام گاہ بنی۔ چھتہ شیخ نرور یا محلہ کشک نرور درحقیقت "چھتہ شیخ انور کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ بڑے مکان والوں کے نام پر محلہ کا نام کوئی عجیب نہیں ہے۔ چھتہ اور کٹڑہ کے ساتھ محلوں کے نام دہلی اور بہت سے شہروں میں موجود ہیں۔ جیسا کہ کٹڑہ شیخ چاند۔ کٹڑہ شیخ بڈھو۔ اور چھتہ ابوتراب جیسے نام ابھی زندہ ہیں۔

مٹے مٹے نقوش کی ادھوری کہانیاں بتاتی ہیں کہ محلہ مہندیاں اور چھتہ شیخ نرور دو الگ الگ محلے تھے اور "دہلی گیٹ" کے آگے واقع خونی دروازہ سے ایک بہت پرانی سڑک جسے آج کل "بہادر شاہ ظفر مارگ" کہتے ہیں، یہ ترکمان گیٹ کے سامنے والی شاہراہ، جو موجودہ آصف علی روڈ کہلاتی ہے، سے جا ملتی ہے۔ غالباً

ہی ایک کشادہ گلی کی شکل میں شیخ نرور سے گذرتی تھی۔ اور درگاہ شاہ ولی اللہ کو جاتی تھی۔ اسی کے دونوں جانب مسجد مکی اور مسجد شاہ عبدالعزیز واقع تھیں۔ نیز گلی کے دونوں جانب مکانات تھے۔ رفتہ رفتہ مکانات نے کھنڈرات کا روپ دھار لیا اور مکان کے مکینوں نے زیر زمین جگہ بنالی۔ یوں محلہ ویران ہوگیا اور قبرستان آباد ہوگیا۔ اس کے ساتھ شیخ نرور کا نام بھی تاریخ کے صفحات سے محو ہوگیا اور "مہندیاں" نے پورے محلہ کو اپنے اثر میں لے لیا۔

اور ممکن ہے اس کی یہ وجہ بھی ہو کہ مہندیاں کے مکینوں کی قبریں مسجد سے لے کر درگاہ ولی اللہ کے آس پاس ہی ہوں اور اسی نسبت سے مہندیاں کا دائرہ بھی پھیل کر درگاہ ولی اللہ یا چھتہ شیخ نرور تک پہنچ گیا۔

اللہ رب العزت کو یہی منظور تھا کہ امام الہند شاہ ولی کا کام اور نام زندہ و تابندہ رہے گا اور ان کے گرامی مرتبت فرزندوں اور اولاد کی شاندار خدمات فراموش نہیں کی جائیں گی بلکہ ان کے مزارات تک مرجع خلائق بنے رہیں گے۔ ایک ایسا دور بھی آیا تھا کہ قبروں کے نشانات کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ لیکن مشیت ایزدی یہی تھی کہ قبرستان مہندیاں باقی رہنا ہے۔ سو وہ آج بھی موجود ہے۔ اس کی حفاظت کا سامان یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جناب علی محمد شیر میوات سے یہ کام لے لیا۔

قبرستانِ مہندیاں جہاں شیخ الاسلام، امام الہند شاہ ولی اللہ محدث اور ان کے علمی خانوادے کے علاوہ علماء، فضلاء، اولیاء، صلحاء، محدثین و مفسرین اور سیاسی زعماء آرام فرما ہیں یہ بقعۂ نور دلی کا دل ہے۔

بقول حالی مرحوم

چپے چپے پہ ہیں یاں گوہر یکتا تہ خاک
دفن ہوگا نہ کہیں اتنا خزانہ ہرگز

یہ ایک تاریخی صداقت ہے کہ ۱۸۵۷ء میں مکتب ولی اللہی کے جن علماء و مشائخ نے تحریک آزادی میں سرفروشانہ حصہ لیا اور تحریک استخلاص وطن کی قیادت کی تھی۔ انگریز نے ان علماء و مشائخ کے مراکز کو بھی نشانۂ ظلم و ستم بنا کر تباہ و برباد کر دیا تھا۔ اسی طرح ۱۹۴۷ء میں بھی تقسیم ملک کے بعد یہاں مدفون مجاہدین آزادی پر نت نئے مظالم ڈھائے جاتے رہے۔ اسی قبرستان مہندیاں میں بعض وزراء اور کرنلوں کی قبریں بھی تھیں ان میں سلطنت مغلیہ کے ایک وزیر کی بھی قبر تھی جسے زہر دے کر ہلاک کیا گیا تھا۔ ۱۹۴۷ء میں ان تمام قبروں کو مٹا دیا تھا۔ جوش ملیح آبادی نے گویا اسی موقع کے لئے کہا تھا ؎

جا گورِ غریباں پہ نظر ڈال بہ عبرت — کھل جائے گی تجھ پر دنیا کی حقیقت
عبرت کے لئے ڈھونڈ کسی شاہ کی تربت — اور پوچھ کدھر ہے وہ تری شانِ حکومت

کل تجھ میں بھرا تھا جو غرور آج کہاں ہے؟ اے کاسۂ سر بول ترا تاج کہاں ہے؟

مفتی محمد ضیاء الحق دہلوی ۱۹۴۷ء میں خاندان ولی اللہی کے مقدس مزارات کی بے حرمتی کی کہانی اس طرح بیان کرتے ہیں:-

"تقسیم ملک کے اثر سے یہ درگاہ بھی محفوظ نہ رہ سکی۔ اور کچھ نہ سہی تو سنگ مرمر کی الواح اور احاطے کے جنگلے ہی توڑ کر لے گئے اور پھر ۱۹۷۰ء میں حکومت کے بلڈوزر چلے، قبریں مسمار ہوئیں اور مُردوں کی ہڈیاں تک نکال پھینکی گئیں۔ منصوبہ یہ تھا کہ اس وقف زمین کو اِرون ہسپتال اور مولانا آزاد میڈیکل کالج کے حوالہ کر دیا جائے۔ اور وہاں ڈاکٹروں کی رہائش کے لئے فلیٹس وغیرہ تعمیر کئے جائیں۔ شیر میوات صاحب کے شدید احتجاج کے باوجود غصب کر کے فلیٹس بھی بنادئے اور کچھ وقف زمین دھوبیوں کو دے دی۔ باقی زمین کے بچانے میں جناب علی محمد شیر میوات کو بہت سی قربانیاں، جانی اور مالی دینی پڑیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ موصوف کی گراں قدر قربانیوں کی وجہ سے یہ خطہ محفوظ رہا۔"

موصوف ۱۹۳۹ء میں پہلی مرتبہ یہاں آئے تھے۔ پھر ان کے قدموں نے اس راہ کو پہچان لیا اور اب اس تاریخی جگہ کی ہمہ جہت ترقی ہی ان کی زندگی کا مشن ہے۔ ۱۹۴۷ء میں حضرت سحبان الہند مولانا احمد سعید نے انہیں درگاہ کا متولی بنایا۔ قانونی کارروائی کی تکمیل ہوئی۔ اس کے بعد ان کے ساتھ غیر قانونی اور غیر اخلاقی حرکتوں کی ابتداء شروع ہو گئی۔ لوگوں نے قدم اکھاڑنا چاہا، وہ جمے رہے۔ بھگانا چاہا، وہ ڈٹ گئے۔ اذیتیں پہنچائی گئیں۔ صبر و شکر کے ساتھ جھیلتے رہے۔ واقعات کے تند تھپیڑوں نے کبھی ان میں نہ لرزش پیدا کی اور نہ لغزش۔ پولیس نے ان پر سچے جھوٹے ۳۴۶ مقدمات بنائے جن سے بحمد اللہ وہ سرخ رو نکلے۔ تنگدستی کا یہ حال تھا کہ بھوک مٹانے کے لئے درختوں کی چھال کھانا پڑی۔ موصوف کا کہنا ہے۔ نہ جانے پولیس کے کتنے ڈنڈے میری پیٹھ پر پڑے۔ اگر شیر میوات کا یہ دم خم نہ ہوتا تو آج قبرستان مہندیاں کا وجود صرف تاریخ کے صفحات میں ہوتا۔ زمین پر کوئی دوسری عمارات جلوہ نما ہوتیں۔

آپ قبرستان مہندیاں جائیے تو گیٹ میں داخل ہوتے ہی دائیں ہاتھ کی مسجد (جناتی مسجد) پر نظر پڑے گی جس کے سامنے دوسرے بہت سے اولیاء کرام اور علماء عصر کے علاوہ حضرت شیخ عبدالعزیز شکربار کا مزار ہے حضرت موصوف شاہ ولی اللہ کے والد گرامی قدر شاہ عبدالرحیم کے نانا تھے۔ بہت بلند پایہ بزرگ تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ان کے متعلق لکھتے ہیں:-

"شیخ اپنے زمانے میں مشائخ چشت کی یادگار تھے اور اخلاقِ حسنہ مثلاً تواضع، حلم، صبر و رضا، خلقِ خدا پر شفقت اور رعنائیت فقراء میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔"

مکی مسجد سے آگے چلئے تو شاہ ولی اللہ ہال کی نو تعمیر شدہ عمارت ملے گی، اس کے بعد "جامعہ رحیمیہ" پر نظر پڑے گی گویا کہ جامعہ کی صاف ستھری عمارت مسکرا کے آپ کا استقبال کرنے کو تیار ہے۔ تھوڑا سا اندر جائیے تو "باب الولی" ہے جس کی پیشانی پر جلی حروف میں یہ شعر لکھا ہے ؎

ادب اے زائرِ حق آشیانہ　　ولی اللہ کا ہے آستانہ

۸ رجمادی الثانی ۱۳۸۸ھ

جامعہ رحیمیہ کا دفتر اہتمام، اس کے پیچھے کتب خانہ، سامنے وضو خانہ، بیچ میں "باب الولی" اور اس کے بعد قبرستان کی زندہ اور جاندار شخصیت جناب علی محمد شیر میوات صاحب کا دفتر ہے جسے لوگ متولی صاحب کا کمرہ کہتے ہیں۔ مقابل میں مہمان خانہ ہے۔ پھر مدرسین اور طلبہ کے کمرے ہیں۔

ذرا آگے بڑھئے کچھ قبروں کو چھوڑ کر درگاہ مسجد ہے۔ مسجد کے بعد تاریخ اسلام کی وہ عظیم شخصیت اپنے بعض اعزہ اور نامور علماء کے ساتھ آسودۂ خواب ہے۔ نہ جانے اس زمین نے علم و فکر، قلب و نظر کے کتنے آسمانوں کو اپنے اندر سمو رکھا ہے۔ کچھ پکی یا ادھ پکی قبروں کو چھوڑ کر یہاں برابر کچی قبریں ہی رہی ہیں۔ یہ جو اونچی نیچی زمین نظر آتی ہے۔ کل کی قبروں کے مٹے مٹے نقوش ہیں۔ چلتے چلتے دامن دل کھینچتا ہے اور قدم ٹھہر ٹھہر سے جاتے ہیں۔ دماغ میں یہ سوال گونجتا ہے نہ جانے یہاں کون آرام کر رہا ہے؟ بہت ساری قبریں مٹ گئیں۔ ناموں کے مزار ہوں یا گمناموں کی آرام گاہ۔ اب وہ سب ہی صف گمنامی میں ہیں۔ کوئی دل کی بستی بسا کر اس خاموش آبادی میں قدم رکھے تو خدا جانے اسے کیا کیا مشاہدہ ہو۔

دائیں ہاتھ مسجد شاہ عبدالعزیز ہے، جو بہت ہی چھوٹی سی تھی چنانچہ متولی صاحب جناب علی محمد شیر میوات نے جہاں دوسری عمارتیں بنوائیں اس مسجد کو بھی بنوایا۔ مسجد پر یہ کتبہ سفید پتھر پر سیاہ حروف سے ... آویزاں ہے

خدا سے مانگ جو کچھ مانگنا ہے اکبر　　یہی وہ در ہے جہاں آبرو نہیں جاتی

توسیع و تعمیر مسجد درگاہ حجۃ الاسلام حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

یکم رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۶ جولائی ۱۹۷۹ء جمعرات

علی محمد شیر میوات متولی درگاہ قبرستان

ایک مسقف احاطہ کی پہلی صف کے درمیان شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ کی قبر واقع ہے جس کی تختی پر یہ عبارت مرقوم ہے:-

"مرقد حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی ابن حضرت مولانا شیخ وجیہہ الدین محدث دہلوی سن پیدائش ۱۰۵۴ھ عہد شاہجہاں بادشاہ۔ تاریخ وفات ۱۲ صفر المظفر یوم چہارشنبہ

عمر ۶۷ سال عہد فرخ سیر۔"

اس کے متصل مغرب میں امام الہند شاہ ولی اللہ کی قبر ہے جس کی تختی پر مرقوم ہے۔

"مرقد حجۃ الاسلام حضرت مولانا امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ابن حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی۔ تاریخ پیدائش ۴ شوال المکرم ۱۱۱۴ھ بروز بدھ۔ تاریخ وفات ۲۹ محرم الحرام ۱۱۷۶ھ بروز ہفتہ رحلت نمود۔"

شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ کے مشرق میں موصوف کے اہلیہ محترمہ شاہ ولی اللہ کی جدہ مکرمہ کی قبر ہے۔ اس کے مشرق میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی زوجہ مکرمہ کی قبر اور اس کے ساتھ مشرق میں شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کی دختر نیک اختر کی قبر ہے۔ جب کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کے مغرب میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی قبر ہے جس کی تختی پر یہ قطعہ درج ہے:۔

"مرقد امام المحدثین حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی"

قطعہ تاریخ

انتخاب نسخۂ دین مولوی عبدالعزیز — بے عدیل و بے نظیر و بے مثال و بے مثل

جانب ملک عدم تشریف فرما کیوں ہوئے — آگیا گویا مُردوں کے ایماں میں خلل

ہے ستم اے چرخ تو کس کو یہاں سے لے گیا

کیا کیا یہ ظلم تونے بے کسوں پر اے اجل

شاہ عبدالعزیز کی قبر کے متصل شاہ مخصوص اللہ محدث دہلوی ابن شاہ رفیع الدین محدث دہلوی کی قبر ہے اس کے ساتھ ہی موصوف کی اہلیہ محترمہ آرام فرما ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پاؤں کی جانب شاہ رفیع الدین محدث دہلوی آسودۂ خواب ہیں ان کے مشرق میں شاہ عبدالقادر محدث دہلوی اور ان کے مشرق میں شاہ عبدالغنی کا مرقد اقدس ہے۔

اس احاطہ میں لاتعداد بزرگان امت محوِ خواب ہیں۔ جن کی تفصیلات کے لئے دفتر درکار ہیں۔ یہ محض ایک عبرت انگیز اور نصیحت آموز جھلک پیش کی جا رہی ہے ؎

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

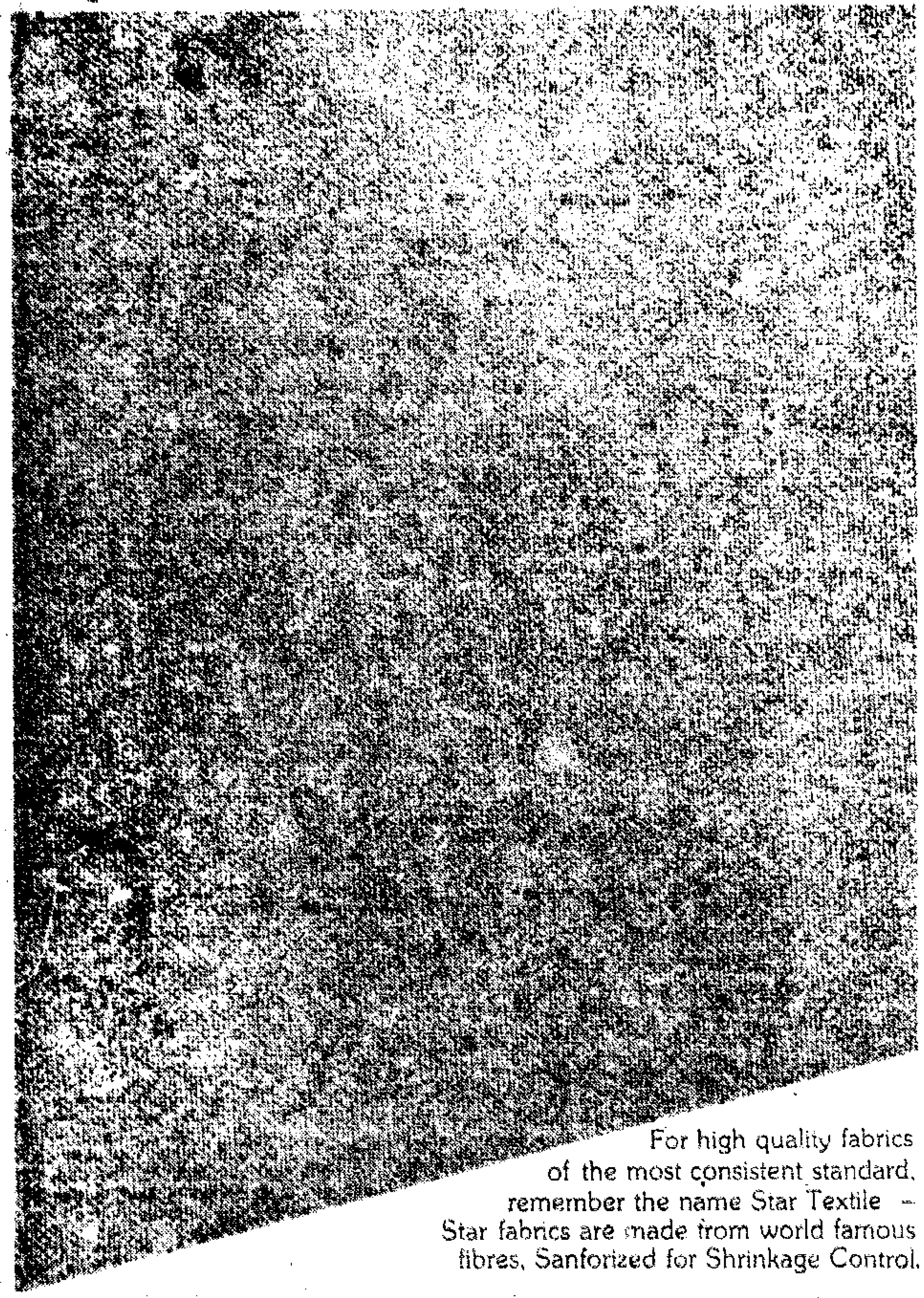

WE'VE DEVELOPED FABRICS WITH SUCH LASTING QUALITY AND STYLE THAT THERES ONLY ONE WORD FOR IT

Star

For high quality fabrics of the most consistent standard, remember the name Star Textile – Star fabrics are made from world famous fibres, Sanforized for Shrinkage Control.

For the most comfortable and attractive shirting and shalwar qameez suits, look for the colour of your choice in Star's magnificent Shangrilla, Robin, Senator fabrics.

To make sure you get the genuine Star quality, check for the Star name printed on the selvedge along every alternate metre.

SANFORIZED

... THE ESSENCE OF STYLE AND TOTAL COMFORT!

Star Textile Mills Limited Karachi

P.O. BOX NO. 4400 Karachi 74000

مرسلہ۔ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری

مولانا ابوالکلام آزاد کا ایک نادر و رُوح پرور مکتُوب

ذیل میں مولانا ابوالکلام آزاد کا ایک نادر و نایاب مکتوب، پروفیسر محمود واجد ہاشمی کے تجسس اور ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری کی عنایت اور ان کے شکریے کے ساتھ نذر قارئین ہے۔ جس کے مکتوب الیہ محمد ابراہیم زکریا عرف مسٹر صاحب ہیں جس کے ایک ایک جملے سے اخلاص ٹپکتا ہے۔ جو اختصار کے باوجود معارف کا سرچشمہ بصائر و حکم کا گنجینہ اور نہایت روح پرور اور ایمان افروز ہے۔ (ادارہ)

سنہ ۱۹۱۳ء

عزیزی! السلام علیکم۔

جو حالت اپنی آپ نے لکھی ہے تخصیص و تعین کے ساتھ تو اس کا علم نہ تھا۔ لیکن یہ معلوم تھا کہ اس طرح کے حالات میں ضرور آپ مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری ہر حالت کو موجب صلاح و فلاح فرمائے۔ یقین کیجیے کہ دنیا میں انسان کے تمام فوائل و فضائل کے لئے اصلی آزمائش گاہ یہی حالات ہیں۔ تلوار اور آگ میں کوئی آزمائش نہیں۔ سب سے بڑی آزمائش نفس و جذبات ہی کی ہے۔ اگر عزم راسخ اور قوت ایمانی و احسانی سے کام لیا جائے تو اس آزمائش میں کامیابی کچھ مشکل نہیں۔

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا و ان اللہ مع المحسنین ٥

تاریخ تحریر خط: مولانا آزاد کی پیدائش ۱۸۸۸ء کی ہے اور شادی ان کی بہن کی روایت کے مطابق ۱۳، ۱۴ برس کی عمر میں ہوئی تھی۔ اس خط میں مولانا نے لکھا ہے "میری شادی کو دس سال ہوگئے"۔ اس حساب سے خط کا زمانہ تحریر ۱۹۱۲ء ہوتا ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

میں اپنی دعاؤں میں کبھی نہیں بھولوں گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس آزمائش میں کامیابی کی توفیق عطا فرمائے۔
موجودہ حالات میں بجز دو راہوں کے تیسری راہ کوئی نہیں۔

عزم صادق اور ہمت کامل سے کام لیجئے۔ اپنے اندر عزم پیدا کیجئے اور اللہ سے مددگاری طلب کیجئے۔ زندگی چند روزہ ہے اور سارے مطلوبات نفس وہم وخیال سے زیادہ نہیں۔ کب تک اس بند و قید میں گرفتاری رہے گی؟ جو دل فاطر السماوات والارض کے عشق کا متحمل ہوسکتا ہے۔ اس کو فانی و وہمی الفتوں میں لگانا انسانیت وحیات کو تاراج کرنا ہے۔ طلب مفرط جس چیز کی بھی ہے انداد وطواغیت میں داخل ہے۔

فلا تجعلوا للّٰہ انداداً وانتم تعلمون اور یحبونہم کحب اللّٰہ ط والذین امنوا اشد حبا للّٰہ۔ محبت الٰہی کا دعویٰ ہے تو سب سے زیادہ احب چیز کو اس کے لئے چھوڑ دینا چاہئے۔ حتیٰ تنفقوا مما تحبون ۰

پس اصلی و حقیقی اور ایمانی واحسانی راہ تو یہی ہے کہ اللہ سے دل لگائیے۔ الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب اور ایک مرتبہ پوری قوت وعزم کے ساتھ انی وجہت وجہی للذی فطر السموٰت والارض حنیفا اور لا احب الآفلین کی صدا لگا کر اس خیال کو دل سے نکال دیجئے۔ اگر آپ کی جانب سے عزم ہوا تو توفیق الٰہی ضرور مساعد ہوگی۔ اور انشاء اللہ ایک جہاد اکبر کا اجر عند اللہ۔

غور کیجئے! آپ متأہل ہیں، مجرد نہیں۔ پھر صاحب اولاد اور حقوق اہل وعیال کی کشاکش سے درماندہ، کوئی ضرورت شرعی و اخلاقی ازدواج ثانی کے لئے باعث نہیں۔ پھر ایک طرف افلاس و قلت معیشت کی بے سروسامانی دوسری طرف عوازم و معالی امور وعمل کا ولولہ۔ ان حالات میں اگر یہ معاملہ انجام پایا تو کیا نتیجہ نکلے گا؟ بلاشبہ ابتدا میں مسرت حصول مطلوب کا ہیجان تمام محسوسات پر غالب آجائے گا۔ لیکن بہت تھوڑی دیر کے لئے۔ اس کے بعد قدرتی کشاکش و کشمکش اور مشکلات و صعوبات کا سلسلہ شروع ہوگا اور جیسا کہ اکثر حالتوں میں ہوا ہے، عجب نہیں کہ خود اس معاملے سے دل برداشتہ ہوجائے۔

یہ کشمکش زندگی کے لئے سب سے بڑی مصیبت ہے ابھی ایک لمحے کے لئے اس کا احساس نہیں ہوسکتا۔ یہ عام قاعدہ ہے، لیکن جب یہ حالت پیش آجائے گی تو کوئی علاج سودمند نہ ہوگا۔ سب سے زیادہ یہ کہ پوری امانت داری کے ساتھ خود اس شخص کے مصالح پر غور کرنا چاہئے جس کی محبت میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے وہ ایک معصوم لڑکی ہے۔

بقیہ گذشتہ صفحہ مکتوب الیہ کی روایت کے مطابق مولانا آزاد سے ان کے تعلقات کا آغاز بھی اسی سال سے ہوا تھا۔ گویا مولانا کا یہ خط مکتوب الیہ سے تعلقات کے اوائل کی یادگار ہے۔ (ابوسلمان)

دنیا اور دنیا کے مصائب سے بے خبر۔ کیا یہ بہتر ہوگا کہ اس کو ایک ایسی زندگی میں لایا جائے جس کے مصائب و مشکلات کا ابھی سے علم ہے؟ اور ہم جانتے ہیں کہ عیش و آرام حیات اس کے لئے مہیا نہ کرسکیں گے۔ پھر اپنی بیوی کا خیال کیجیے، جہاں تک مجھے معلوم ہے آپ کو اس سے کوئی شکایت نہیں۔ کیا محبت و وفا کا یہی اقتضاء ہونا چاہیئے کہ بلا وجہ اس کی تمام بقیہ زندگی تلخ کردی جائے۔

میری شادی کو دس سال ہوگئے۔ یقین کیجیے کہ میرے لئے ایک نہیں متعدد وجوہ و بواعث شرعاً و عقلاً ایسے موجود ہیں اگر ان میں سے ایک باعث بھی کسی دوسرے شخص کے ساتھ ہوتا تو وہ دوسرا نکاح کرنے میں ذرا بھی پس و پیش نہ کرتا۔ بایں ہمہ میں نے ایک صبح و شام کے لئے بھی اس کا قصد نہیں کیا اور نہ کروں گا۔ پھر دوسروں کی جانب سے اس بارے میں اس قدر مجبور کن ترغیبات پیش آتی رہیں کہ عزم کا باقی رہنا بہت مشکل تھا۔ تاہم میری رائے میں تزلزل نہ ہوا۔

صداقتِ حیات بجز قربانی کے اور کچھ نہیں ہے۔ اگر ہم اپنی خواہشوں کو قربان نہیں کرسکتے تو پھر نہ دنیا میں محبت ہے نہ سچائی اور نہ انسان۔

آپ کہیں کس کے بس میں ہے؟ ہاں! لیکن جو چاہے اس کے بس میں ہے۔ دل سے اوپر بھی ایک طاقت ہے اس کو جگا دیجیے سونے نہ دیجیے۔ وہ دل کی لگام جس طرف چاہے موڑ دے گی۔

اس بارے میں کثرت سے عواقب و نتائج پر غور و تفکر، مطلوباتِ نفس کی ہیچ مایگی اور بے حاصلی کا تصور، کثرتِ استغفار و دعا اور مشغولاتِ دینیہ نہایت سودمند ہوں۔ اگر ایک دعا بھی پورے اضطراب و التہاب کے ساتھ نکل گئی تو پھر کوئی خطرہ باقی نہیں رہے گا۔ صرف اس حقیقت کی ضرب اگر ایک مرتبہ پوری طرح لگ جائے کہ طلب و عشق اور اضطرابِ قلب و اشکباریِ چشم جیسی نعمتیں ایک وہمی و خیالی مطلوب کے لئے کس طرح ضائع جا رہی ہیں۔ اور اگر یہ سب کچھ اللہ کے لئے ہوجائے تو پھر یہی وجودِ فانی کیا کیا کچھ نہیں کرسکتا، اور اس آزمائش سے نکل جانے میں ذرا بھی رکاوٹ پیش نہ آئے گی۔

(۲) لیکن اگر ضعفِ عزم کا ساتھ نہ دے، اور اس راہ کی نوبت نہ ملے تو پھر دوسرا مشورہ یہ ہے کہ تمام خیالات چھوڑ کر بھاگل پور چلے جایئے اور جس طرح بھی ممکن ہو اس کے والدین کو راضی کرکے نکاح کرلیجیے۔ اور جس قدر مشکلات و مہالک پیش آئیں گے، اُن کو گوارا کرلینے کا قطعی فیصلہ کرلیجیے۔ یہ بات پھر بھی ہزار درجے موجودہ اضطرابِ نفس سے بہتر ہوگی۔ اقلاً بہت سے انتہائی نقصانات مفقود ہوجائیں گے۔

غرضیکہ یا فوراً بلا تاخیر اس خیال کو بالکل دل سے نکال ڈالیے یا فوراً بلا تاخیر جاکر کسی نہ کسی طرح نکاح کرلیجیے۔ تیسری حالت کوئی نہیں اور اگر اختیار کی جائے گی تو سخت مضر ہوگی۔ والعاقبۃ للمتقین　　ابوالکلام آزاد

کاروانِ آخرت

(ادارہ)

حضرت مولانا عبدالحکیمؒ

اور

مولانا مفتی عطا محمدؒ کا سانحہ ارتحال

گذشتہ ماہ جمعیۃ علماء اسلام کے بزرگ رہنما حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب بھی اس دارِ فانی سے بقضاءِ الٰہی رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم دارالعلوم دیوبند کے فاضل جامعہ فرقانیہ راولپنڈی کے مہتمم اور شریعت بل کے پرجوش حامی اور تحریک نفاذِ شریعت کے مخلص رہنما تھے۔

۱۹۷۰ء میں جمعیۃ کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اور بھرپور پارلیمانی کردار ادا کیا۔ مرحوم کی سب سے بڑی صفت حق گوئی اور بیباکی تھی۔ شریعت بل کے سلسلہ میں جب اوائل میں ملک بھر کی سیاسی فضا مکدر تھی تو مولانا عبدالحکیم نے ڈٹ کر اس کی حمایت میں آواز اٹھائی۔ مرحوم کے قومی و ملی اور دینی خدمات کے علاوہ نیک و صالح اور قراء و حفاظ اور اہل علم اولاد ایک عظیم صدقۂ جاریہ ہے۔

دعا ہے کہ بارگاہِ ربوبیت میں انہیں مغفرت نصیب ہو۔ درجاتِ عالیہ سے سرفراز ہوں۔ باری تعالیٰ مرحوم کے جانشینوں اور متعلقین کو ان کی دینی خدمات جاری رکھنے کی توفیق ارزانی فرمائیں۔

ڈیرہ اسماعیل خان کے جید عالم دین حضرت مولانا مفتی عطا محمد صاحب بھی قدرے علالت کے بعد اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم چودھوان کے باشندے، علاقہ بھر کے معتمد مفتی اور مرجع خلائق تھے۔ زندگی کا زیادہ تر حصہ درس و تدریس اور مطالعہ فقہ و افتاء میں گذرا۔ شہرت اور ریا و نمود سے طبعی نفور تھا زندگی کے آخری سانس عزلت اور گوشہ نشینی میں گذرے۔ بڑھاپے اور عوارض و امراض کے باوجود اہل محلہ کی خدمت، بوڑھوں اور بیواؤں کے لئے بازار سے ضرورت کا سامان خرید کر لدے ہوئے آتے تھے تو اس پہ خوش ہوتے تھے۔ مرحوم سادگی، تواضع اور عجز و مسکنت میں سلف صالحین کا نمونہ تھے علمی رسوخ گہرا اور عمیق تھا۔ فقہی کتابوں کے بحرِ ذخار میں کسی بھی نادر مسئلہ اور جزئیہ کے استخراج کیلئے ان کی نشاندہی تیر بہدف ہوا کرتی تھی۔

باری تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ اپنی رحمتوں سے نوازے۔ آمین یا رب العالمین